جدید معاشی مسائل اور اسلام

(مولانا محمد تقی امینی کے فقہی افکار کا خصوصی مطالعہ)

☆پروفیسر محمد انس حسان

Abstract

Mawlana Muhammad Taqi Amini (1926-1991) was an eminent scholar and thinker of the subcontinent. His thoughts and services in the domain of Islamic jurisprudence were immense. He was completely aware of the demands of the modern world and helped reinterpret Islamic teachings in accordance with them. A profound man of letters, he considered ijtihad the need of the contemporary world. He possessed prophetic vision where the solution of new issues - usury, speculative transactions, stock exchange, insurance, women's rights, the ownership of the land and education - in the ever-changing world was concerned. This is the most significant aspect of his thoughts which inspired me to write on the remarkable achievements of Mawlana Muhammad Taqi Amini.

Keywords: jurisprudence, ijtihad, usury, stock exchange, insurance, women's rights

مولانا محمد تقی امینی عصر حاضر کے ایک معروف عالم تھے، آپ نے بعض جدید معاشی مسائل پر اپنی فقہی آراء کا اظہار کیا، پیش نظر مقالے میں آپ کی ان تحقیقات کا خصوصی مطالعہ کیا جائے گا تاکہ دیکھا جائے کہ عصر حاضر کے جدید معاشی مسائل کے حوالے سے آپ کے فقہی افکار امت کے لئے کس قدر نفع آفرینی رکھتے ہیں۔

"والدِ ماجد کا نام عبدالحلیم تھا جو اپنے اخلاق و کردار اور تہذیب و شائستگی میں ممتاز تھے۔ خدمتِ خلق اور قربانی کا جذبہ بے مثال تھا۔ والدہ ماجدہ ایک نہایت مخیرّ اور صاحبِ ثروت بزرگ کی صاحبزادی، نہایت دیندار اور خداترس تھیں۔"(۱) ابتدائی تعلیم علاقہ کے قریبی مدرسہ میں حاصل کی۔ قرآن مجید کے حفظ اور ابتدائی درجہ کی عربی و فارسی کتب اسی مدرسہ میں پڑھیں۔ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

☆شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج، جہانیاں

''جب عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو خاندانی دستور کے مطابق والد صاحب نے قصبہ کے دینی مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بٹھایا جس میں حفظ وقراءت کی تکمیل کی اور عربی علوم وفنون کی بیشتر کتابیں اس مدرسہ میں پڑھیں۔اس کے بعد ''جامع العلوم کانپور'' میں دینی علوم وفنون کی تحصیل کی اور آخر میں ''مدرسہ امینیہ دہلی'' سے فضیلت وتکمیل کی سند حاصل کی۔''(۲)

دیگر محبّ وشفیق اساتذہ کے علاوہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر فیض حاصل کیا۔مولانا کو اپنے اساتذہ کی محنت اور شفقت کا پوری طرح احساس تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام اساتذہ کی بالعموم اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی بالخصوص بہت زیادہ تعریف کیا کرتے تھے۔چنانچہ لکھتے ہیں:

''اساتذہ نے نہایت محبت وشفقت اور دل سوزی سے تعلیم وتربیت میں حصہ لیا۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین۔ان میں قاری محمد یامین،صوفی افضل علی اور مفتی محمد کفایت اللہ (مفتی اعظم ہند) خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کی علمی وعملی تربیت اور حوصلہ افزائی نے زندگی کو وہ متاع گراں مایہ (قیمتی سرمایہ) دیا کہ جس کا بدل دنیا کی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔''(۳)

تعلیم کی تکمیل کے بعد مختلف مدارسِ دینیہ میں دینی علوم وفنون کی تعلیم دی،لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو پاک کی تقسیم کا مسئلہ زوروں پر تھا۔اس افراتفری میں کسی جگہ بھی جم کر پڑھانے کا موقع نہ ملا۔۱۹۶۴ء میں مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کے کہنے پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تشریف لے آئے اور ایک طویل عرصہ تک تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔اپنی تدریسی زندگی کے حوالے سے مولانا خود رقمطراز ہیں:

''تعلیم کے بعد مدرسہ سبحانیہ دہلی،دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو اور جامع العلوم کانپور میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔لیکن چونکہ وہ ہندوستان و پاکستان کی تقسیم ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا۔افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔مسلمان انتشار کا شکار تھے۔کسی ایک جگہ جم کر سال چھ مہینہ سے زیادہ کام نہ کرسکا۔۱۹۵۰ء میں ناگپور (مہاراشٹر) چلا گیا وہاں تقریباً چھ سال مدرسہ فرقانیہ اور ہائی اسکول میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔پھر ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم معینیہ (درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ) اجمیر میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرر ہوا۔وہاں تقریباً سات سال مختلف علوم وفنون کی کتابیں بالخصوص حدیث شریف پڑھاتا رہا۔۱۹۶۴ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ آیا۔یہاں درس وتدریس اور نظامت دینیات کی خدمت سپرد ہے۔''(۴)

مولانا کی طبیعت ۱۹۸۸ء سے خراب رہنے لگی تھی۔۱۹۹۰ء میں طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور علاج معالجہ کے باوجود طبیعت نہ سنبھل سکی اور بالآخر ۴/رجب ۱۴۱۱ھ بمطابق ۲۱/جنوری ۱۹۹۱ء میں یہ عظیم المرتبت فقیہ جس کی تمام زندگی جہد مسلسل کا عملی نمونہ تھی،علی گڑھ کے مقام پر اس ہستی عدم نما سے ہستی عدم کی طرف کوچ کر گیا۔کل ۶۵/برس کی عمر پائی اور علی گڑھ ہی میں مدفون ہیں۔

ڈاکٹر جاوید احسن فلاحی نے علی گڑھ یونیورسٹی سے ''مولانا محمد تقی امینی: حیات وخدمات'' کے عنوان سے پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے، جبکہ کنور غلام احمد خاں نے ان کی متعدد کتب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر دیا ہے۔لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں راقم کی ایک معمولی کاوش ''مولانا محمد تقی امینی کی فقہی خدمات'' کے علاوہ کسی یونیورسٹی سے کوئی تحقیقی مقالہ تحریر نہیں کیا گیا۔جوں جوں وقت گزرتا جارہا ہے مولانا امینی جیسے بالغ نظر فقیہ کے افکار ونظریات سے استفادہ ناگزیر ہوتا جارہا ہے۔

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مولانا کے افکار ونظریات سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ان کے انتقال کو ۲۲ سال گزر گئے ہیں اور اس دوران فقہ اسلامی کی عصری تدوین اور جدید فقہی مسائل کے حل کے حوالے سے بعض انتہائی اہم پہلو سامنے آئے ہیں جو مولانا کے پیش نظر نہیں تھے لیکن فقہ اسلامی کی جدید تشکیل کے جن اساسی اصولوں کی نشاندہی مولانا نے کی ہے ہماری ناقص رائے کے مطابق ان سے بالکل استفادہ نہیں کیا گیا۔

مولانا کی طبیعت میں اسلام کی خدمت کا جذبہ ہمیشہ سے موجزن تھا لیکن اسلام کی خدمت کے لیے انہوں نے فقہ اسلامی کی عصری تدوین کو اپنا موضوع بنایا۔پروفیسر کنور محمد یوسف امین نے بالکل بجا لکھا ہے:

> ''مولانا محمد تقی امینی صاحب نے اسلامی قانون کی اندرونی عدل پسندی اور رفاہیت نوازی کے مطابق فقہ کی عصری تدوین کے مرتفع لیکن دشوار کام کا بیڑا اٹھا کر اور روح فرسا مجاہدہ دے کر وہ کتابیں تصنیف کیں جو ایک بڑے حکومتی ادارہ کے لیے بھی مشکل ہوتیں۔''(۵)

فقہ اسلامی کی عصری تدوین جیسے ٹھوس علمی کام کے لیے وہ مولانا ابوالحسن ندویؒ کی قائم کردہ مجلس تحقیقاتِ شرعیہ کا حصہ بھی رہے(۶) جس کا مقصد جدید فقہی مسائل کو حل کرنا تھا۔اس نازک اور اہم کام پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کو متوجہ کرنے والے بھی مولانا امینیؒ ہی تھے(۷) جنہوں نے اس کام کی اہمیت پر انہیں نہ صرف قائل کیا بلکہ فی سبیل اللہ اس عظیم کام کے لیے اپنی تمام تر خدمات پیش کر دیں۔

مولانا نے اس مجلس میں ایک سال تک کام کیا جس میں عالم اسلام کے نامور علماء وفقہاء شامل تھے۔لیکن جدید فقہی مسائل کے حوالے سے اس مجلس سے جو توقعات اور امیدیں وابستہ تھیں وہ اس پر اپنی محدود اور سطحی ذہنیت اور انفرادی سوچ کے باعث پورا نہ اتر پائی اور اجتماعی مسائل پر کام کرنے کی بجائے ذاتی مفادات اور ترجیحات کی نظر ہوگئی۔مولانا محمد امینیؒ کے لیے یہ وقت بڑے درد اور کرب والم کا دور تھا۔چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''......تجربہ سے ثابت ہوا کہ ذہنی وشعوری سطح ابھی اس قسم کے کام کی متحمل نہیں ہو سکی ہے۔میری زندگی کا یہ مرحلہ نہایت شدید تھا جس کام کے لیے عرصہ سے توانائی خرچ کر رہا تھا اس میں ناکامی برداشت کر لینا آسان نہ تھا۔ میرے پاس ایسے وسائل وذرائع نہ تھے کہ علیحدہ اس کام کو انجام دے سکتا۔''(۸)

مولانا نے اس تلخ تجربہ سے مایوس ہو کر اس پر غور وفکر ترک نہیں کیا بلکہ انفرادی طور پر اس اہم کام پر برابر کام کرتے

رہے اور اپنی تمام تر قلمی توانائیاں جدید دور کے جدید تقاضوں کے شرعی حل پر صرف کر ڈالیں۔

عصر حاضر میں دنیا بہت تبدیل ہو چکی ہے۔ ہمارا معاشرہ بہت بدل چکا ہے۔ آبادی اور اس کے مسائل بھی بڑی حد تک پُر پیچ بن گئے ہیں۔ قدیم زمانے میں جو کام پرائیویٹ کیے جاتے تھے اب ان کو سرکاری سطح پر کیا جانا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اور جو پرائیویٹ کیے جاتے ہیں ان کے لیے نئے نئے حالات و مسائل درپیش ہیں۔ اسی بنا پر قرآن وسنت کی روح اور اس کے مقصد کے پیش نظر ان مسائل کو از سر نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ (۹) مولانا امینیؒ کے نزدیک ان مسائل کو حل کرنے میں فقہی جزئیات سے کافی مدد مل سکتی ہے۔ متقدمین نے اس حوالے سے کافی ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے استفادہ کر کے ان مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے مطابق ان جدید مسائل کی تدوین میں تین چیزوں کی رعایت ضروری ہے:

(۱) اصول تدریج

(۲) الاقدم فالاقدم

(۳) نمائندۂ الٰہی حکومت کے فرائض واختیارات

مولانا کے مطابق اس طریق کار کے اختیار کرنے سے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے اور بہت سوں کے لیے راہیں پیدا ہو جائیں گی اور بہت سے ایسے نکلیں گے جن کے حل کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ (۱۰) اس حوالے سے وہی مسائل حل کیے جائیں گے جن کا حل کیا جانا ضروری ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے اگر موجودہ دور کا جائزہ لیا جائے تو ہماری توجہ ان مسائل کی طرف ہے جن کی سرے سے ضرورت ہی نہیں اور اس کے برعکس حقیقی معاشرتی مسائل سے صرف نظر نے ہمیں ذلت و ادبار کی گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے۔ مولانا اپنے اس درد کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اس سے زیادہ بے محل بات اور کیا ہوگی کہ قوم وملت کے ایسے بے شمار مسائل ہیں کہ ان کو حل کیے بغیر ذلت وادبار سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن ہمارا ذہنی وفکری سرمایہ ان مسائل کے ''ادھیڑ بن'' میں لگا ہے جن کا زندگی کے حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں یا زیادہ سے زیادہ وہ مباح کے درجہ میں ہیں۔'' (۱۱)

چنانچہ امت مسلمہ من حیث المجموع آج جس بحران سے دوچار ہے اس کا تقاضا ہے کہ امت کے مابین نزاع و تصادم کے تمام دواعی ومظاہر سے صرف نظر کر کے صرف ان امور پر زور دیا جائے جو جملہ مسالک میں مشترک ہیں۔ (۱۲)

اجتماعی زندگی سے متعلق مسائل کا معاملہ جس قدر اہم ہے اسی قدر نازک بھی ہے۔ بہت سے حالات وواقعات اس طرح آپس میں مربوط ہوتے ہیں کہ ان کے باہمی ربط وتسلسل کو سمجھے بغیر مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔ ان مسائل میں سے بعض کا تعلق اصول وقانون سے ہوتا ہے جو غیر متبدل ہوتے ہیں جبکہ بعض اختیاری اور مباح کے درجہ میں ہوتے ہیں جن کی نوعیت وکیفیت میں اجتماعی حالات کے پیش نظر جزوی تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا تقی امینیؒ کے نزدیک جب تک ہمہ

جہتی نگاہ نہ پیدا ہوگی اجتماعی مسائل کا خاطر خواہ حل ڈھونڈنے میں کامیابی تقریباً ناممکن ہے۔(۱۳) لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کبھی بھی کسی مسئلہ میں ہمہ جہتی کا مکمل طور پر پایا جانا ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس ذیل میں موافق ومخالف ہر طرح کے حالات سے سابقہ پڑنے کا اندیشہ ہے۔ جب تک ماحول کو ان مسائل کے مجوزہ حل کے لیے سازگار نہ بنایا جائے گا ہمہ جہتی کا حصول ممکن نہ ہوگا۔

ان اجتماعی مسائل کی تین اقسام ہوسکتی ہیں جن پر غور وفکر کے بعد فقہ کو ضروریات زندگی سے ہم آہنگ بنانا پڑے گا۔ وہ تین اقسام درج ذیل ہیں:

(۱) حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے لیکن حالات کی تبدیلی کی بنا پر اس کے موقع ومحل میں تبدیلی لازمی بن گئی ہے۔

(۲) حکم موجود ہے لیکن اس پر عمل درآمد سے قومی وملی نقصان کا یقین ہے یا حالات ومصلحت بدل جانے کی وجہ سے اب اس کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے۔

(۳) زمانہ کی کروٹوں اور ضرورتوں نے نئے حالات ومسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا تذکرہ ''فقہ'' میں نہیں ہے۔ لیکن اصولی اور عمومی رنگ میں ہدایت الٰہی ان سب کو شامل ہے۔(۱۴)

ان میں سے ہر ایک کی مولانا نے تشریح بھی فرمائی ہے اور ان کی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ ان اجتماعی مسائل کی پہلی قسم کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ظلم کے پیمانہ کی تشکیل ہر دور میں معاشرتی زندگی اور اس کے معیار کے لحاظ سے ہوگی۔ اس بنا پر حق اور محنت سے متعلق قوانین میں موجودہ معیار نظر انداز نہ ہونا چاہیے ورنہ ظلم سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اس سلسلہ کی چند بنیادی باتیں یہ ہیں:
>
> (الف) محنت اور سرمایہ کے درمیان تعلق کی نوعیت آقا اور غلام جیسی نہیں بلکہ برادرانہ اور مساویانہ ہو۔
>
> (ب) محنت کا ثمرہ اتنا ملنا چاہیے کہ ضروری اخراجات کی حد تک معاشی سطح میں زیادہ تفاوت نہ رہے۔
>
> (ج) محنت کش طبقہ پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جو اس کی برداشت سے زیادہ ہو یا اس کو انتہائی مشقت جھیلنی پڑے۔ وقت اور کام دونوں میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔
>
> (د) تنخواہ اور اجرت کے علاوہ حتی الامکان منافع میں شرکت کی بھی کوئی صورت نکالنا چاہیے۔''(۱۵)

اجتماعی مسائل کی دوسری قسم حکم کے موجود ہونے کے باوجود اس پر عمل کرنے سے قومی وملی نقصان کا خدشہ ہو تو اس صورت میں مولانا امینیؒ کے نزدیک ہدایتِ الٰہی نے تنظیم وتقسیم کے معاملہ میں مقصد پر زیادہ زور دیا اور طریق کار میں حسب معمول موقع ومحل کے لحاظ سے گنجائش رکھی ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ کی مخلوق کو رزق حلال میسر ہو اور اس کی ضرورتیں عدل وانصاف کے ساتھ پوری ہوں۔ نیز تنظیم وتقسیم میں تخصیص وترجیح کی غیر فطری کوئی صورت نہ پیدا کی جائے۔(۱۶)

مولانا تقی امینیؒ اجتماعی مسائل کی دوسری قسم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مسائل کی ترتیب وتدوین میں اگر مذکورہ تصور ٹھیک ٹھیک سمودیا گیا اور اس کو بروئے کار لانے کی جدوجہد برابر جاری رہی تو ایک طرف انسان کو ''روٹی اور ملکیت'' کے وحشیانہ تصور سے نجات مل جائے گی اور دوسری طرف ''ملکیت'' کی آڑ میں جور واستبداد کی کوئی گنجائش نہ باقی رہے گی۔'' (۱۷)

تیسری قسم کی مثال مولانا امینیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ سرمایہ اور زمین کی نئی تنظیم کے بعد تجارت وزراعت کے بہت سے مسائل ایسے ہوں گے جن میں فقہا کی تشریحات اور جزئی تفصیلات بڑی حد تک اپنے مقصد میں ناکام رہیں گی۔اس بنا پر لازمی طور سے نئی تنظیم کے مطابق مسائل کی نئی ترتیب وتدوین کرنی ہوگی۔(۱۸)

ویسے تو مولانا نے بہت سے جدید مسائل پر قلم اٹھایا ہے تاہم ذیل میں ان کی چند فکری کاوشوں کا عمومی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کی فقہی واجتہادی بصیرت کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) سود کا مسئلہ

موجودہ دور میں مالیاتی نظام بہت وسیع اور پُر پیچ ہو چکا ہے جس کی بنا پر بہت سے معاشی واقتصادی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس حوالہ سے کوئی متوازن اور معتدل راہ نکالنے کی ضرورت شدت اختیار کرتی جارہی ہے۔مولانا امینیؒ کے نزدیک موجودہ اقتصادی نظام بڑی حد تک ''سود'' پر قائم ہے جس کو یک بیک ختم کردینا یقیناً دشواری اور بظاہر مالی خسارہ کا باعث ہے۔ (۱۹) لیکن اس کے ساتھ یہ ثابت کرنے سے بھی کہ مروجہ سود وہ نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا اور جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔نہ سود کا مسئلہ حل ہوتا ہے اور نہ اس کے مضر اثرات ہی سے نجات ملتی ہے۔اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ اندرون ملک جو سودی کاروبار چل رہے ہیں۔ دیانتداری کے ساتھ ان پر قابو پانے کی جدوجہد کی جائے۔ پھر بین الاقوامی کاروباری معاملات پر غور کیا جائے اور رفتہ رفتہ اس کی متوازن صورت پیدا کی جائے۔سود کے اس پورے نظام میں اگر کوئی پہلو ایسا بھی ہے کہ جس پر سود کا اطلاق حقیقۃً نہیں ہوتا تو نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں اس کو سود سے خارج کردینے میں تامل نہ ہونا چاہیے۔(۲۰) ''کمرشل انٹرسٹ'' اور ''انشورنس'' وغیرہ کے مسائل میں بھی ہدایتِ الٰہی کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے فوائد ونقصانات کے پیش نظر کس حد تک انہیں ''قبول'' اور کب تک انہیں نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔(۲۱) مولانا امینیؒ لکھتے ہیں:

''دراصل ''سود'' کے اثرات صالح معاشرہ میں نہایت دور رس ہیں اس لیے بہت سوچ سمجھ کر بتدریج قدم اٹھانے کی ضرورت ہوگی۔'' (۲۲)

(۲) سٹہ بازی کا مسئلہ

سٹہ بازی دراصل مستقبل کی سودا بازی ہے جس میں دو فریق محض تخمین واندازہ سے قیمتوں کے گھٹنے اور بڑھنے پر معاملہ کرتے ہیں۔یعنی ایک فریق کا اندازہ آئندہ قیمت بڑھنے کا ہوتا ہے اور دوسرے کا اندازہ آئندہ قیمت گھٹنے کا ہوتا ہے۔ پھر

دونوں اپنے اپنے اندازہ کو بنیاد بنا کر آپس میں ایک معاہدہ کرتے ہیں جس میں نفع ونقصان کا فیصلہ غائب سودے پر قبضہ کے بغیر کرلیا جاتا ہے۔ چنانچہ مدت گزرنے کے بعد جس شخص کا اندازہ صحیح ثابت ہوتا ہے اس کو قیمت کے فرق کی نسبت سے نفع ہوتا ہے اور جس کا اندازہ غلط ثابت ہوتا ہے اس کو اسی نسبت سے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔(۲۲) قیمت کے کم اور زیادہ ہونے کا اندازہ اشیاء کی طرح حصص اور تمسکات میں بھی ہوتا ہے۔

مولانا نے سٹہ بازی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نیز اپنے قول کی دلیل میں درج ذیل نکات بیان فرمائے ہیں:

(1) یہ ادھار کی بیع ادھار کے بدلہ ہے۔

(2) اس چیز کی بیع ہے جس پر عملاً یا قانوناً اب تک قبضہ نہیں ہے۔

(3) اس پر نفع لینا ہے جو اپنے ضمان میں نہیں ہے۔

(4) فصل آنے سے پہلے محض تخمین واندازہ کی سودابازی ہے۔

(5) ایک فریق اس میں غیر معمولی خطرات مول لیتا ہے۔

(6) اس میں اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز استحصال کی ذہنیت پائی جاتی ہے۔

(7) وہ تمام اخلاقی خرابیاں پائی جاتی ہے جو ماہرین معاشیات کی آراء میں گزر چکی ہے۔

(8) یہ بڑی حد تک مالیاتی بحران کا باعث ہوتا ہے جس کا بالواسطہ اثر اخلاق پر پڑتا ہے۔(۲۴)

(۳) اسٹاک ایکسچینج کا مسئلہ

اسٹاک ایکسچینج اس ''ادارہ'' کو کہتے ہیں جو حصص وتمسکات کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے اس کا تعلق مشترکہ سرمایہ کی کمپنی سے ہے۔(۲۵) اس ادارہ (کمپنی) میں ابتداء کم از کم سات افراد ہوتے ہیں جو اپنا سرمایہ لگاتے ہیں پھر اس کی وسعت کے پیش نظر بہت سے افراد اس کا حصہ بن سکتے ہیں۔ یہ کمپنی دو طریقوں سے سرمایہ حاصل کرتی ہے۔

(الف) پہلی قسم حصص (Shares) کی ہے۔ یعنی لوگ کمپنی میں حصہ دار بننے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق اس میں حصہ ڈالتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کمپنی کے سو حصص ہیں تو ہر شخص اس کے ۲۰ حصے خرید کر ان کا مالک بن سکتا ہے اور کمپنی کے نفع نقصان میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

(ب) سرمایہ حاصل کرنے کی دوسری قسم تمسکات (Bond) کی ہے۔ اس میں کمپنی کاروبار چلانے کے لیے قرض لیتی ہے جس پر انہیں سود کی ایک خاص شرح بھی ادا کرتی ہے۔ کمپنی لوگوں سے رقم لے کر انہیں چند مہینوں کا لالچ دے کر ایک کاغذ کا ٹکڑا پکڑا دیتی ہے جو ان کی رقم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اس مدت میں اگر انہیں دی گئی لالچ کے مطابق انعام نکل آتا ہے تو وہ اس کے مالک بن جاتے ہیں اور اگر انعام نہیں نکلتا تو وہ اپنی رقم واپس لینے کے مجاز ہوتے ہیں۔

حصص اور تمسکات میں درج ذیل فرق ہوتا ہے:

(۱)حصص میں سرمایہ لگانے والا کمپنی کا حصہ دار ہوتا ہے جبکہ تمسکات میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ کمپنی اس کی قرضدار ہوتی ہے۔

(۲) کمپنی اگر ختم ہونے لگے تو تمسکات کے مالک کو ادائیگی پہلے کی جاتی ہے اور حصص کے مالک کو بعد میں۔

(۳)حصص کے مقابلے میں تمسکات زیادہ محفوظ سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اس میں سرمایہ محفوظ ہوتا ہے۔

(۴)حصص کے مالک کمی بیشی کے لحاظ سے نفع ونقصان میں بھی کمی بیشی کا سامنا کرتے ہیں جبکہ تمسکات میں مالک کو مقررہ شرح سود سے زیادہ نہیں ملتا۔خواہ آمدنی کتنی ہی ہو۔

مولانا امینیؒ کے نزدیک اسٹاک ایکسچینج کے اس نظام میں بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱)خرید وفروخت کے وقت ہر شخص صرف اپنے مفاد کو مدنظر رکھتا اور مشترکہ مفاد کو بالکلیہ نظرانداز کردیتا ہے۔

(۲) یہ کمپنیاں بڑی حد تک قرض (ادھار) پر چلتی ہیں جس کی بناپر ہمیشہ سود کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(۳)اس نظام سے اجارہ داری بڑھتی اور سرمایہ ایک طبقہ میں محدود رہتا ہے جس سے امارت وغربت میں توازن برقرار رکھنے کی صورت نہیں رہ جاتی۔

(۴) دلالوں کا ایک پیشہ ور درمیانی طبقہ ابھر آتا ہے جو صرف اپنے کمیشن سے دلچسپی رکھتا ہے،خواہ بازار کا بھاؤ گھٹے یا بڑھے۔(۲۶)

مولانا نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دلائل میں مغربی مبصرین کی بھی بہت سی آراء نقل کی ہیں جن میں اس نظام کی دیگر برائیوں کا ذکر ہے۔پھر اس نظام کی تمام تر خرابیوں کے تفصیلی ذکر کے بعد اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔مولانا کے نزدیک اس نظام کو ناجائز قرار دیے جانے کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

(الف) کمپنی کے ڈائریکٹر ومنیجر حصہ داروں کے امین اور ان کے مفاد کے محافظ ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ بھی دھوکہ دے کر حصہ داروں سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

(ب) کمپنی کی اندرونی حالت سے جن کو زیادہ واقفیت ہوتی ہے وہ فرضی طور پر خرید کر کے یا احتکار وتخمین کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرتے ہیں جس سے دوسرے حصہ داروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔

(ج)حصص کی منتقلی میں چونکہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد شریک ہوتی ہے۔اس بناء پر حق تلفی دھوکہ دہی اور ناجائز استحصال وغیرہ کو کاروباری حلقہ میں برا نہیں سمجھا جاتا۔

(د)حصص کی انتقال پذیری کی توقع (بالواسطہ) مستقبل کے تخمینی کاروبار کو فروغ دیتی اور تمسک کے صرافوں کو جنم دیتی ہے جن کے اثرات نہایت دوررس اور ہمہ گیر ہوتے ہیں۔

(ر)حصص پر نفع کی مذکورہ تقسیم بعض صورتوں میں جہالت پیدا کرتی اور بعض میں حق تلفی کا باعث بنتی ہے جیسا کہ ’’ترجیحی‘‘ کی بعض شکلوں میں ہوتا ہے۔

(س) باربار حصص کی منتقلی سے اخلاقی حس کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اجتماعی مفاد مجروح ہوتا ہے۔

(ص) تمسکات کے مالک صرف نفع میں شریک ہوتے ہیں ''سود'' کے مستحق ہوتے ہیں۔نقصان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(ط) تمسکات کی خرید وفروخت کرنے والے ہر وقت ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش میں رہتے ہیں اور ان کی قمار بازی میں بہت کچھ غیر پیداواری محنت صرف کرتے ہیں جس کو ماہرینِ معاشیات نے چوری کرنے اور بھیک مانگنے والوں کی محنت سے تشبیہ دی ہے۔یہ کاروبار چند چالاک و چالباز قسم کے دلالوں میں محدود ہوگیا ہے جو کمیشن حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی غلط شہرت و جائز و ناجائز سے دریغ نہیں کرتے۔(۲۷)

چونکہ اسٹاک ایکسچینج کا مسئلہ ایک بدیہی امر ہے جس سے صرف نظر کرنا دور حاضر میں ممکن نہیں ہے۔اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی کوئی صورت ایسی بھی ہے جو شرعی لحاظ سے بھی درست ہو اور اس میں لوگوں کو سکون بھی ہو؟ تو مولانا امینیؒ نے اس حوالہ سے مندرجہ ذیل تجاویز دی ہیں کہ اگر ان پر عمل ہو جائے تو اسٹاک ایکسچینج کے نظام میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جائے گی اور یہ نظام لوگوں کو مساویانہ طرز پر نفع پہنچانے کا باعث بنے گا۔وہ تجاویز یہ ہیں:

(۱) واسطوں کو کم کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ شرکت ومضاربت کی بنیادوں پر مشترکہ کمپنیوں کے لیے قواعد وضوابط مقرر کیے جائیں جس میں کسی ایک مسلک کی پیروی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہر فقہی مسلک اور اصول وکلیات سے استفادہ کی گنجائش ہے۔نیز اجتہاد کے ذریعہ قوانین وضع کرنے کی اجازت ہے۔

(۲) حصص کی منتقلی کا نظام ختم کیا جائے کہ اس کے بغیر دوسروں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ظلم وزیادتی سے نجات ملنی مشکل ہے۔

(۳) تقسیم کی جہالت دور کی جائے۔اس طرح کہ بڑے حصوں کو محدود سے محدود تر کر دیا جائے اور مختلف قسم کے حصے بند کر کے زیادہ مقدار میں ایک قسم کے چھوٹے حصے جاری کیے جائیں تاکہ عوام کو زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔

(۴) تمسکات کا اجراء بند کر دیا جائے تاکہ اس کے بغیر ادھار اور سود کا سلسلہ نہ ختم ہو سکے گا۔اس کے بجائے کاروباری اغراض کے لیے حکومت سرکاری خزانہ سے لوگوں کو قرض دے تاکہ وہ کمپنی کے کاروبار میں شرکت کر کے حصے خرید سکیں۔حکومت مقررہ قواعد وضوابط کے مطابق اسی قرض کے نفع ونقصان دونوں میں کمی وبیشی کے ساتھ تقسیم کر کے شریک ہو سکتی ہے۔

(۵) دلالوں کا پیشہ ور درمیانی طبقہ ختم کیا جائے اگر کاروبار چلانے کے لیے کچھ مشیر کاروں کی ضرورت ہو تو ان کو قانونی واخلاقی ضابطوں کا زیادہ سے زیادہ پابند بنایا جائے۔(۲۸)

مولانا امینیؒ کی بیان کردہ تجاویز پر اگرچہ ابتداً کچھ مشکلات پیش آئیں گی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ مشکلات لوگوں کی اجتماعی سہولت اور نفع میں تبدیل ہو جائیں گی۔نیز یہ تجاویز صرف اسلامی ممالک ہی کے لیے نہیں بلکہ غیر اسلامی ممالک کے لیے

بھی نفع مند ہونے کے ساتھ ساتھ قابل عمل بھی ہیں۔لیکن ان تمام تجاویز پر عمل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایک مستحکم معاشی نظام موجود ہو۔ برصغیر کے لوگ ابھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل نہیں ہوئے اور یہاں کے لوگ ابھی بنیادی معاشی ضروریات سے بھی دور ہیں۔اس لیے یہاں ان تجاویز پر عمل مغربی اور عرب ممالک کی بہ نسبت قدرے مشکل ہوگا۔

(۴) بیمہ (انشورنس) کا مسئلہ

بیمہ مستقبل کے امکانی حادثات کے لیے بیمہ دار اور کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ہے جو طے شدہ شرطوں کے مطابق انجام پاتا ہے۔اس معاہدہ کے تحت بیمہ دار ایک معینہ رقم کمپنی کو ادا کرتا ہے جس کے عوض کمپنی کسی بھی ناگہانی آفت پر ایک مجموعی رقم اسے واپس کرتی ہے۔ بیمہ کرنے سے پہلے کمپنی بیمہ دار جس کا وہ بیمہ کروانا چاہتا ہے اس کا جائزہ لیتی ہے اور پھر اس کے مطابق اپنی پالیسی وضع کرتی ہے جو دستاویزی شکل میں ہوتی ہے۔

بیمہ کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں:

(الف) اموال کا بیمہ

(ب) زندگی کا بیمہ

پھر اموال کے بیمہ کی بھی چند اقسام ہیں۔

(۱) بحرحتی بیمہ: یہ امکانی حادثہ کی تلافی کے لیے کیا جاتا ہے۔

اسی طرح بیمہ زندگی کی بھی تین اقسام ہیں:

(۱) سالیانہ بیمہ: اس میں بیمہ دار رقم یک مشت ادا کردیتا ہے۔

(۲) لائف انشورنس پالیسی: اس میں بیمہ دار رقم قسط وار ادا کرتا ہے۔

(۳) مسئولیاتی بیمہ۔

بیمہ کا مسئلہ چونکہ دور جدید کا مسئلہ ہے اور اس حوالہ سے متقدمین کی کتب اس کے جواز وعدم جواز سے خالی ہیں اس لیے علماء نے متفرق آراء کا اظہار کیا ہے۔

مصر کے مشہور مفتی الشیخ محمد بخیت مطیعی (۱۹۳۵ء۔۱۸۵۴ء) نے اس موضوع پر ایک بڑا تحقیقی رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ (۲۹) مفتی الشیخ عبدالرحمٰن قراعہؒ اور الشیخ احمد ابراہیمؒ نے بھی اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے اور بالکلیہ اسے حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ (۳۰) جبکہ مشہور مالکی الشیخ فقیہ ابوالحسن الحجویؒ نے بیمہء اموال کو جائز قرار دیا ہے اور باقی اقسام ان کے نزدیک بھی درست نہیں۔ (۳۱)

علامہ ابن عابدین (۱۸۳۶ء۔۱۷۸۴ء) نے سوکرہ (بحری بیمہ کی ایک شکل) کو دارالحرب میں جائز اور دارالاسلام میں ناجائز قرار دیا ہے۔ (۳۲) مصر کے مشہور فقیہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ (۱۹۶۳ء۔۱۸۹۹ء) کے نزدیک اگر بیمہ زندگی کو باہمی

تعاون کی ایک شکل قرار دے دیا جائے اور اس پر سود نہ لیا جائے تو یہ جائز ہے۔(۳۳)اسی طرح شیخ عبدالمنعمؒ نے پرائیویٹ بیمہ کمپنیوں سے بیمہ کو ناجائز اور حکومت کی قائم کردہ تنظیموں سے بیمہ کو جائز قرار دیا ہے۔(۳۴)

جس طرح بیمہ کو ناجائز قرار دینے والوں کی کافی تعداد ہے اسی طرح اس کے جواز کے قائل فقہاء کی بھی کافی تعداد ہے۔ چنانچہ مصر کے نامور فقیہ مفتی محمد عبدہؒ نے بیمہ کو عقدِ مضاربت پر قیاس کر کے جائز قرار دیا ہے۔(۳۵)عبدالرحمٰن عیسیٰؒ نے بھی بوجوہ بیمہ کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔(۳۶)اسی طرح ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاؒ بھی بیمہ کے جواز کے قائل ہیں اور اس پر ان کے بڑے مضبوط دلائل ہیں۔(۳۷)جبکہ شیخ ابوزہرہؒ کے نزدیک اگر حکومت اپنے ملازمین وکارکنوں کے درمیان یہ نظام قائم کرے تو جائز ہے اور اگر بیمہ کمپنیوں سے کرے تو ناجائز ہے۔(۳۸)روس کے مشہور عالم اور مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد علامہ موسیٰ جاراللہؒ نے بیمہ کو نا صرف جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے۔(۳۹)

وہ طبقہ جو بیمہ کے عدم جواز کا قائل ہے مندرجہ ذیل وجوہ سے اپنے دلائل اخذ کرتے ہوئے اسے ناجائز قرار دیتا ہے:

(۱)اس میں جوا پایا جاتا ہے کہ بیمہ دار مثلاً وہ روپیہ کی ایک قسط ادا کرنے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کے ورثاء یا نامزدگان زربیمہ کی پوری رقم پانے کے مستحق ہوتے ہیں جو جوئے کی ایک شکل ہے۔

(۲)اس میں سود پایا جاتا ہے کہ اقساط کی شکل میں جس قدر رقم ادا کی جاتی ہے زربیمہ کی شکل میں اس سے زائد کی واپسی ہوتی ہے۔

(۳)بعض صورتوں میں بیمہ دار کی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور بعض میں ادا کی ہوئی رقم سے کم واپس ملتی ہے۔

(۴)ایک معاملہ میں دو معاملہ (۱) بیمہ دار کا معاملہ (۲) ورثاء یا نامزدگان کا معاملہ کی شکل پائی جاتی ہے جس کی ممانعت ہے۔

(۵) قانون میراث کی مخالفت پائی جاتی ہے کیونکہ نامزدگان کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ وارث ہی ہوں۔ غیر وارث بھی ہوتے ہیں۔(۴۰)

(۶)بیمہ میں تقدیر الٰہی سے مقابلہ ہے۔

(۷) بیمہ میں دھوکہ پایا جاتا ہے۔

(۸)بیمہ میں جہالت پائی جاتی ہے۔(۴۱)

مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل بیمہ کے ناجائز ہونے اور اس کی معاشرتی واخلاقی قباحتوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''درحقیقت اس ذہنیت سے معاشرہ میں بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور اجتماعی طور پر ملک کی معیشت کا نظام متوازن اور عادلانہ نہیں رہتا۔ یہ یسر کے ساتھ محض قسمت کی یاوری سے اکتساب مال کا جذبہ محرکہ علت حرمت ہے اور بیمہ میں یہی کچھ پیش نظر ہوتا ہے۔''(۴۲)

بیمہ کے جائز ہونے پر بھی ایک گروہ کے دلائل ہیں اور وہ گروہ بیمہ پر کیے گئے اعتراضات ہی کی روشنی میں اپنے دلائل استوار کرتا ہے۔اس طبقہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) جوا سے بے اطمینانی و پریشانی پیدا ہوتی ہے اور بیمہ سے امان واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

(۲) رہن کی کسی قسم سے بیمہ کی مشابہت نہیں ہے نیز بیمہ کے جو فوائد ہیں ان سے رہن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۳) تقدیر الٰہی سے مقابلہ اس بناء پر نہیں کہ بیمہ میں حادثات وخطرات سے حفاظت کی ضمانت نہیں ہوتی بلکہ نقصان کی تلافی کی ضمانت ہوتی ہے۔

(۴) دھوکہ کی وہ شکلیں ممنوع ہیں جن میں اتفاقاً ایک طرف فائدہ اور دوسری طرف خسارہ ہو بیمہ کے نظام میں مجموعی حیثیت سے ایسی شکلیں نہیں پائی جاتی ہیں۔

(۵) ہر قسم کی جہالت معاملہ کو نہیں فاسد کرتی بلکہ وہ جہالت کرتی ہے جو معاملہ کے نافذ ہونے میں رکاوٹ پیدا کرے۔ بیمہ میں ایسی کوئی جہالت نہیں پائی جاتی جس سے یہ معاملہ نافذ نہ ہو سکے۔(۴۳)

ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاؒ نے بیمہ کو قدیم عقود کے مشابہہ قرار دیتے ہوئے اس کے جواز پر دلیل قائم کی ہے۔ نیز لکھتے ہیں:

''اس سے کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ بدلے ہوئے حالات ورجحانات کے پیش نظر عقود و معاملات کی نئی تنظیمیں ضروری ہیں البتہ جدید تنظیموں کو شرعی حیثیت دینے کے لیے شرعی حدود وقیود کی رعایت ناگزیر ہے۔''(۴۴)

بیمہ کی غرض مال کے ایک مخصوص حصے کو محفوظ کرنا ہے جو وقتِ ضرورت کام آسکے۔جس طرح ہمارے گلی محلوں میں ''کمیٹی'' کا رواج پایا جاتا ہے۔ چونکہ قرآن وحدیث میں اس کے شرعی حکم سے متعلق صراحتاً ذکر نہیں ہے اور فقہاء کو بھی اس سے واسطہ نہیں پڑا اس لیے اس کا حل اجتہادی بنیادوں پر ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ مولانا امینیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''بیمہ ایک جدید معاملہ ہے جس کا قرآن وسنت میں صراحۃً ذکر نہیں ہے۔ لازمی طور سے اس کے حل کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہوگی جس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) بیمہ کے نظام کو شریعت کے عمومی قواعد پر منطبق کر کے کسی ایسی نظیر پر قیاس کیا جائے جو نص صریح سے ثابت ہو۔

(ب) بیمہ کے مصالح ومفاسد پر غور کر کے ان طریقوں سے فائدہ اٹھایا جائے جو غیر منصوص احکام میں اجتہاد کے لیے مقرر ہیں۔''(۴۵)

بیمۂ اموال کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

(۱) بحری بیمہ (2) آگ کا بیمہ (3) حادثاتی بیمہ

مولانا کے نزدیک موجودہ دور میں عام ضرورت کے تحت یہ تینوں جائز ہیں۔ کیونکہ بحری بیمہ کے بغیر حفاظت سے مال

لانے اور لے جانے کی کوئی شکل نہیں اور آگ کا بیمہ نیز حادثاتی بیمہ کے بغیر تلافی نقصان کی کوئی صورت نہیں ہے۔البتہ جن قسموں کا تعلق ''ضرورت'' سے نہیں بلکہ محض تعیش یا جذبہ اقتدار کی تسکین سے ہے وہ جائز نہ ہوں گی۔مثلاً حسن و جمال، راگ راگنی اور الیکشن وغیرہ کا بیمہ(۴۶) جو کہ مغربی ممالک میں عام ہے۔اسی طرح بیمہ زندگی کی بھی تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

(۱)سالیانہ بیمہ

(۲)لائف انشورنس پالیسی

(۳)مسئولیاتی بیمہ

مولانا امینیؒ کے نزدیک یہ تینوں بھی عام ضرورت کے تحت جائز ہیں کیونکہ حادثات وخطرات میں مالی کفالت کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔(۴۷) مولانا بیمۂ اموال اور بیمۂ زندگی پر ہونے والے اعتراضات کا بھی محاکمہ کرتے ہیں اور ٹھوس علمی انداز میں ان اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں۔لیکن بیمہ کے جواز کے قائل ہونے کے باوجود ان کو اس اہم مسئلہ کی تمام نزاکتوں کا مکمل ادراک ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''عام ضرورت کے تحت بیمہ جائز ہونے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اب وہ مستقل کاروبار ہے جس کی ترتیب وتنظیم میں سرمایہ داری کے ''جراثیم'' سرایت ہیں، اس بناء پر لازمی طور سے ''حکومت اسلامی'' سماجی تحفظات کے تحت کفالت عامہ کی بہتر تنظیم وجود میں لائے گی یا ''جراثیم'' دور کرکے بیمہ کو 'اسلامی' بنائے گی۔''(۴۸)

بیمہ کو اسلامی بنانے کے لیے مولانا کے ذہن میں مکمل نقشہ ہے۔ان کے مطابق بیمہ کو 'اسلامی' بناتے وقت حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ بیمہ کی پرائیویٹ کمپنیاں باقی رکھے یا ان کی جگہ کارپوریشن قائم کرے۔لیکن جو ممالک معاشی لحاظ سے خود کفیل نہیں ہیں (مثلاً ایشیائی وافریقی ممالک) ان میں سرمایہ داری نظام توڑنے کے لیے ابتدائی مرحلہ میں لازمی طور سے پرائیویٹ کمپنیوں کو ختم کرنا ہوگا کہ اس کے بغیر موجودہ حالت میں اسلامی عدل وتوازن پیدا ہونے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

''اسلامی کارپوریشن'' میں سرکاری ملازمین اور ''سیلف ایمپلائیر'' (خود کاروبار کرنے والے) دونوں کا بیمہ ہوگا۔نیز اس کا دائرہ ان صورتوں تک محدود نہ ہوگا جن میں انسان روزی کمانے سے قاصر ہوتا ہے۔بلکہ مختلف ضرورتوں مکان، تعلیم اور شادی کو بھی شامل ہوگا۔حکومت مجموعی سرمایہ کو نفع بخش کاموں (تجارت وغیرہ) میں لگائے گی، جو سودی لین دین سے پاک ہوں گے اور مجموعی نفع کو حصہ رسد تقسیم کرنے کی پابند نہ ہوگی۔بلکہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔(۴۹)

(۵) عورتوں کے حقوق کا مسئلہ

صنف نازک کا مسئلہ تاریخ کے ہر دور میں نازک رہا ہے اور دنیا نے اکثر اس کے ساتھ بے انصافی کی ہے۔(۵۰) منجملہ دیگر معاملات کے اسلام کو موجودہ دور میں عورت کے حقوق کے حوالہ سے مغربی اور سیکولر طبقات کے طعن وتشنیع اور اعتراضات کا سامنا ہے۔حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ اعتراض ان طبقات کی طرف سے + کیے جاتے ہیں جو خود ہمیشہ سے عورت کے حقوق کا

استحصال کرتے رہے ہیں۔ بہرحال اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے ہیں مسلم معاشرے میں اگر ان کا احترام پیدا ہو جائے اور وہ ٹھیک ٹھیک ادا کیے جانے لگیں تو وہ مسائل ہی شاید پیدا نہ ہوں جن کا حوالہ دے کر پورے اسلامی قانون ہی کو بدنام کرنے اور اسے بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔(۵۱) مولانا امینیؒ نے اس نازک مسئلہ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ وہ عورتوں کے حقوق کے زبردست حامی ہیں۔عورت کی مظلومیت پر مولانا کو بڑا غم ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''خواہ یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہو یا عورت کی فطری کمزوری کا نتیجہ کہ ہر دور میں اس کی قسمت کا فیصلہ مردوں کے ہاتھ میں رہا ہے اور وہی اپنے خودغرضانہ اور نفس پرستانہ جذبات کے مطابق اس سے متعلق جملہ مسائل طے کرتے رہے ہیں۔اس کا یہ ردعمل ہے کہ اب وہ آزاد ہو کر اپنا اصل مقام بھی چھوڑنے پر آمادہ ہے اور تمام حدود وقیود سے بے نیاز ہو کر نیا مقام تلاش کرنے میں سرگرداں ہے۔''(۵۲)

انسان کی ازدواجی زندگی مرد وعورت کے مساوی حقوق اور ذمہ داریوں سے تشکیل پاتی ہے اور زندگی کی تکمیل کے لیے دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔موجودہ دور میں صنف نازک کے حوالے سے وہ کون سے مسائل ہیں جن پر ازسرنو غور وخوض کی ضرورت ہے اس کی وضاحت مولانا امینیؒ نے ایک اور جگہ فرمائی ہے:

> ''موجودہ دنیا نے بہت سے ایسے ''گوشے'' پیدا کر دیے ہیں کہ قیام وبقاء کی جدوجہد میں صنفِ نازک کا معاملہ بڑی حد تک ''پرپیچ'' بن گیا اور اس سے متعلق اجتماعی مسائل پر ازسرنو غور وخوض کی ضرورت لاحق ہوگئی ہے۔اس کی تعلیم وتربیت کا علیحدہ انتظام، معاشی ضروریات کی حد تک صنعت وحرفت کا بندوبست، قومی وملی خدمات کے لیے سہولتوں کی فراہمی وغیرہ قسم کے مسائل ایسے ہیں کہ جن کو ایک لمحہ بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔البتہ ان مسائل کے حل میں ''عفت وعصمت'' کے گراں قدر اصول اور شرعی حدود وقیود کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے، ورنہ موجودہ دنیا کی طرح مضر اثرات سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ ہوگی۔''(۵۳)

صنف نازک کے حوالہ سے ایک اور مسئلہ جسے اسلام کے خلاف منفی انداز میں اچھالا جاتا ہے وہ تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے۔ اسلام نے ایک مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ اس کے اسباب کیا تھے اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن مولانا امینیؒ کی رائے اس حوالے سے بڑی منفرد ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جس طرح مصلحتیں اور ضرورتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ایک سے زیادہ ''شادی'' لازمی بنا دی جائے اسی طرح ایسی مضرتیں اور ناگزیر حالتیں بھی ہوتی ہیں کہ ایک سے زیادہ شادی کی ممانعت کر دی جائے۔''(۵۴)

(۶) ملکیتِ اراضی کا مسئلہ

موجودہ دور میں ایک طرف تو سوشلزم کا نظریہ ملکیت اراضی ہے تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظریہ ملکیتِ اراضی ہے۔ دونوں نظاموں کے نظریات میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ایسے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا نظریہ ملکیتِ اراضی کیا

ہے۔مولانا امینی کے نزدیک آج دنیا ''مقصد'' کو چھوڑ کر ملکیت وعدم ملکیت کی بحث میں الجھی ہوئی ہے۔انفرادی واجتماعی، عارضی ودائمی کی گتھیوں کو سلجھانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔حالانکہ آج سے صدیوں پہلے وادی ''غیر ذی ذرع'' سے پوری دنیا کو جو پیغام دیا گیا تھا۔اس میں اس مسئلہ کو بہت عمدگی کے ساتھ حل کیا جا چکا ہے کہ ہر شے کا حقیقی مالک اللہ ہے اور ذرائع پیداوار اور مفاد عامہ کے لیے ہیں نہ کہ تنہا خوری کے لیے اور انسان کی حیثیت ''امین'' کی ہے جس کو استعمال اور انتفاع کا حق دیا گیا ہے۔(۵۵)

مولانا کا موقف ہے کہ زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے اور انسان کی حیثیت امین کی ہے۔اسلام میں انفرادی اور اجتماعی ہر دو طرح کی ملکیت کی اجازت ہے۔لیکن خلافتِ اسلامیہ کی موجودگی میں حکومت کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہے۔اپنی ساری رائے پر مولانا بطورِ استشہاد حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے عراق کی فتح کے موقع پر زمینوں کو تقسیم کرنے سے منع فرما کر انہیں ان کے حقیقی مالکوں کے پاس رہنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔(۵۶)

خلافت کے تصرفات کی حدود وقیود کیا ہیں؟ اس حوالہ سے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں:

''حکومتِ الٰہی میں اصل چیز مفاد خلق ہے، جب تک یہ حاصل ہوتا رہتا ہے۔خلافت کو اس میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی لیکن جب یہ مقصد فوت ہونے لگتا ہے تو خلافت اس وقت ہر تصرف کی مجاز ہوتی ہے۔''(۵۷)

نیز جہاں خلافت محسوس کرے گی کہ انفرادی اور اجتماعی مفاد باہم ٹکرا رہے ہیں تو وہاں خلافت اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کی مجاز ہوگی۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''چونکہ خلافت کے ہر تصرف میں ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔اس لیے اس قسم کے تمام مواقع میں وہ ذاتی وانفرادی مفاد کا پورا پورا لحاظ رکھتی ہے۔البتہ انفرادی واجتماعی مفادات کے ٹکراؤ کی شکل میں وہ اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتی ہے۔''(۵۷)

ملکیت کے حوالے سے مولانا امینیؒ کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین اللہ کی ملکیت ہے اور انسان کی حیثیت بطورِ امین کی ہے اور اس امانت میں وہ انفرادی واجتماعی ہر دو طرح سے شریک ہے۔نیز بوقت ضرورت خلافت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ وسیع تر اجتماعی مفاد کے تحت زمین کے مالک کو اس کے حق سے محروم کر دے۔لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہی حکومت اس تصرف کی مجاز ہوگی جو خلافت جیسی ذمہ داریاں قبول کرے، ہر حکومت اس کی مجاز نہیں ہے۔مولانا امینیؒ کے ان نظریات سے ایک طرف سوشلزم کے نظریہ ملکیت کی محدودیت اور سطحیت سے نجات ملتی ہے تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظریہ ملکیت کے افراط سے چھٹکارا ملتا ہے۔

(۷)تعلیم کا مسئلہ

مسلمانوں کی موجودہ پسماندگی کی ایک وجہ تعلیم بھی ہے۔مولانا کو بھی اس کا بھرپور احساس تھا۔چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ان کے نزدیک مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی ایک وجہ تعلیم کو قدیم وجدید دوحصوں میں تقسیم کرنا ہے۔مولانا کے مطابق اسلام میں اس طرح کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔اسلام دین و دنیا کے مجموعہ کا نام ہے۔اس لیے ہروہ علم جو انسانیت کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔وہ دین ہی کا حصہ ہے۔مولانا اس نظریہ تقسیم پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نہایت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تصور مسلمانوں کو زندہ رہنے کے قابل نہیں بنا سکتا۔لامحالہ ان کو مسجد و مدرسہ کی چاردیواری میں محدود ہونا پڑے گا اور پھر بھی ان کی عزت وناموس کا سودا ہوتا رہے گا۔''(۵۹)

مولانا کے نزدیک موجودہ دور میں تعلیم سے زیادہ اہم کام تربیت کا ہے۔ان کے مطابق پہلے زمانہ میں جبکہ قوم میں زندگی کی صلاحیت تھی۔معمولی جدو جہد سے یہ کام انجام پاجاتا تھا۔لیکن اب جبکہ قوم بڑی حدتک زوال کی آخری منزل پر پہنچ گئی ہے اس مسئلہ پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت ہے۔(۶۰) چنانچہ آج دنیا جس برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہے مسلم دنیا کو اپنے نظام تعلیم میں وسیع پیمانہ پر تبدیلی کرنا ہوگی اور معاشرتی ترقی میں اپنا حصہ بٹانے کے لیے جدید علوم وفنون کو بھی وہی درجہ دینا پڑے گا جو مدارس کی دیگر کتب فنون کو حاصل ہے۔

خلاصہ ء بحث

خلاصہ ء بحث یہ کہ مولانا تقی امینی فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کے نہ صرف داعی تھے بلکہ آپ نے ذرائع دستیاب نہ ہونے کے باوجود تن تنہا علمی خدمات سرانجام دیں،آپ نے سود، سٹہ بازی، سٹاک ایکسچینج ، بیمہ،ملکیت اراضی اور عورتوں کی تعلیم جیسے مسائل پر قلم اٹھایا اوران مسائل کے بعض اہم پہلو اجاگر کئے، نیز آپ نے فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کے حوالے سے کچھ بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی۔

جدید مسائل کے حوالے سے مولانا کے فقہی افکار میں یک گونہ اعتدال نظر آتا ہے جس کی امت مسلمہ کو اس وقت سخت ضرورت ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مولانا نے اپنے عہد اور خطے کے زمینی حقائق اور احتیاجات کو سامنے رکھ کر جن کلیدی اور اہم اصولوں سے ہمیں روشناس کرایا ہے اُن سے عملی استفادہ کی راہیں نکالی جائیں اور جدید مسائل کے حل کے حوالے سے ان اصولوں سے فائدہ اٹھا کر فقہ کی تشکیل جدید کا اہم کام پورا کرنے کی طرف پیش رفت کی جائے۔

دورحاضر میں جبکہ ایک طرف جدید مسائل کا مرحلہ درپیش ہے تو دوسری طرف اس کے حل کے حوالے سے افراط وتفریط پر مبنی دو معاصر رویے بھی اسلام کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔ان حالات میں مولانا امینیؒ جیسے بالغ نظر اور دور جدید کے تقاضوں سے واقف فقہاء کی خدمات سے استفادہ ازبس ضروری ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

(۱)امینی،محمد تقی،(س۔ن)اجتہاد،کراچی قدیمی کتب خانہ،ص:۳٦۵

(۲)ایضاً

(۳)ایضا،ص:۳٦٦۔۳٦۵

(۴)ایضا، ص:۳٦٦

(۵)تہذیب الاخلاق(علی گڑھ)،ج۳۲،شمارہ:۲،فروری۲۰۱۳ء،ص:۱۵۲

(٦)امینی،محمد تقی،اجتہاد،ص:۳٦۷

(۷) ایضا،ص:۲۹٦

(۸)امینی،محمد تقی،(س۔ن)اسلام اور جدید دور کے مسائل، کراچی،قدیمی کتب خانہ،ص۱۰۰

(۹)ایضا،ص:۹۸

(۱۰)سہ ماہی منہاج(اجتہاد)،جنوری۱۹۸۳ء،لاہور،مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری،ص:۱۱

(۱۱)امینی،محمد تقی،اسلام اور جدید دور کے مسائل،ص:۸۲

(۱۲)ایضاً،ص:۸۳

(۱۳)ایضاً،ص:۸٦۔۸۵

(۱۴)ایضاً،ص:۸۸

(۱۵)ایضاً،ص:۹۱

(۱٦)ایضاً،ص:۹۳

(۱۷)ایضاً،ص:۹۸

(۱۸)امینی،محمد تقیؒ،اجتہاد،ص:۲۹۲۔۲۹۱

(۱۹)امینی،محمد تقی،اسلام اور جدید دور کے مسائل،ص:۹۹

(۲۰)ایضاً،ص:۴۴

(۲۱)ایضاً،ص:۱۳۷

(۲۲)ایضاً،ص:۱٦۱۔۱٦۰

(۲۳)ایضاً،ص:۱۳۸

(۲۴)ایضاً،ص:۱۴۴۔۱۴۳

(۲۵)ایضاً،ص:۱۶۲-۱۶۱ (۲۶)ایضاً،ص:۱۶۷-۱۶۶

(۲۷)ایضاً،ص:۱۸۸ (۲۸)ایضاً،ص:۱۹۰

(۲۹)مصطفی الزرقاء،دکتور، (س.ن)حاشیه عقد التأمين،مصطفى البابی الحلبی،ص: ۹

(۳۰) مجله المحامة،(۱۹۲۵ء).مصر،ج: ۱۱،شماره:۵،ص:۴۶۶،

مجله الشبان المسلمين،(۱۹۴۱ء).مصر، ج:۳، شماره:۲، ص:۴۴،

(۳۱) الحجوی،محمد ابو الحسن،(۱۹۸۸ء).الفكر السامی فی تاريخ الفقه الاسلامی، بيروت، دار النفائس، ج: ۴، ص: ۲۳۲

(۳۲) شامی، محمد امين بن عمربن عابدين،(۱۹۹۲ء).رد المحتارعلى الدر المختار، بيروت دارالفكر ج:۴، ص:۱۶۸

(۳۳) محمد يوسف موسى،دكتور،(۱۹۹۹ء).الاسلام و الحياة،رياض، مكتبة العبيكان، ص: ۲۱۶،

(۳۴) عبد المنعم نمر،(۱۹۹۰ء)الاسلام والشيوعيه، بيروت، دار البشائر الإسلاميه،ص: ۲۰۹

(۳۵) مجله المحاماة،(۱۹۲۵ء).مصر،ج: ۱۱،شماره:۵، ص:۴۶۷

(۳۶) عبد الرحمن عيسى،(س.ن)التامين،مصر، المكتبة العلمية،ص: ۴۱

(۳۷) مصطفى الزرقاء،دكتور،(س.ن).عقد التأمين،مصطفى البابی الحلبی،ص: ۱۹

(۳۸) ايضاً،ص: ۵۶

(۳۹) موسى جارالله،(۱۹۹۷ء)تامين الحياة وتأمين الاموال، رياض، دار الفلاح،ص: ۳۳

(۴۰)فکرونظر،(دسمبر۱۹۸۵ء)۔ج:۲۳،شمارہ:۲،ص:۳۶

(۴۱)امینی،محمد تقی،اسلام اور جدید دور کے مسائل،ص:۲۱۳

(۴۲)ایضاً،ص:۲۰۹ (۴۳)ایضاً،ص:۱۹۸-۱۹۷

(۴۴)ایضاً،ص:۲۴۸ (۴۵)ایضاً،ص:۲۴۹

(۴۶)ایضاً،ص:۲۵۷ (۴۷)ایضاً

(۴۸)امینی،محمد تقی،اجتہاد،ص:۲۸۱

(۴۹)تحقیقات اسلامی،(جون۱۹۸۶ء)ج:۵،شمارہ:۲،ص:۱۲،

(۵۰)امینی،محمد تقی،اجتہاد،ص:۲۸۱ (۵۱)ایضاً،ص:۲۸۲-۲۸۱

(۵۲)ایضاً،ص:۲۸۲ (۵۳)امینی،محمد تقی،اسلام اور جدید دور کے مسائل،ص:۹۶

(۵۴)ایضاً،ص:۹۷

(۵۵)امینی،محمد تقی،(۱۹۹۷ء)اسلام کا زرعی نظام،کراچی،مجلس نشریات اسلام،ص:۴۲

(۵۶)امینی،محمد تقی،اسلام اور جدید دور کے مسائل،ص:۱۰۶

(۵۷)امینی،محمد تقی،اسلام کا زرعی نظام،ص:۱۲۹

(۵۸)ایضاً،ص:۱۳۱

(۵۹)امینی،محمد تقی،اسلام اور جدید دور کے مسائل،ص:۳۲۰-۳۱۹

(۶۰) امینی،محمد تقی،اجتہاد،ص:۲۷۲

☆☆☆☆☆☆☆

مصادر ومراجع

(۱)القرآن

(۲)امینی،محمد تقی،(س-ن)اجتہاد،کراچی،قدیمی کتب خانہ

(۳)امینی،محمد تقی،(س-ن)اسلام اور جدید دور کے مسائل،کراچی،قدیمی کتب خانہ

(۴)امینی،محمد تقی،(۱۹۹۷ء)اسلام کا زرعی نظام،کراچی،مجلس نشریات اسلام

(۵) الحجوی،محمد ابو الحسن،(۱۹۸۸ء)الفکر السامی فی تاریخ الفقه الاسلامی،بیروت،دار النفائس

(۶)شامی،محمد امین بن عمربن عابدین،(۱۹۹۲ء)رد المحتارعلی الدر المختار،بیروت،دارالفکر

(۷) عبد الرحمن عیسی،(س.ن)التامین،مصر،المکتبة العلمیة

(۸)عبد المنعم نمر،(۱۹۹۰ء)الاسلام والشیوعیة،بیروت،دار البشائر الاسلامیه

(۹) محمد یوسف موسی،دکتور،(۱۹۹۹ء)الاسلام و الحیاة،ریاض،مکتبة العبیکان

(۱۰) مصطفی الزرقاء،دکتور،(س.ن)عقد التأمین،مصطفی البابی الحلبی

(۱۱)موسی جارالله،(۱۹۹۷ء)تامین الحیاة وتأمین الاموال،ریاض،دار الفلاح

مجلّات

(۱۲)تحقیقات اسلامی،اپریل-جون(۱۹۸۶ء)ج:۵،شمارہ:۲،

(۱۳)تہذیب الاخلاق(علی گڑھ)،(فروری۲۰۱۳)ج۳۲،شمارہ۲،

(۱۴)فکر ونظر،(اکتوبر-دسمبر۱۹۸۵ء)ج:۲۳،شمارہ:۲،

(۱۵) مجلة الشبان المسلمین،(۱۹۴۱ء)مصر، ج:۳،شمارہ:۲

(۱۶)مجله المحاماة،(۱۹۲۵ء).مصر، ج:۱۱، شمارہ:۵

(۱۷)سہ ماہی،منہاج،لاہور،مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری